التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۹، شمارہ ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ایک عظیم محقق

محمد افضال اشرف

Dr Muhammad Hamidullah was an extraordinary and unique global personality of the 20th century. He was well known among the learned circles worldwide for his unparalleled research work on Islam and his sincere and never ending contribution to the dissemination of Islamic teachings in the western world. He died peacefully at the age of 95 on December 17, 2002 in Jacksonville, Florida, USA at the home of his brother's granddaughter Sadida.

Dr Hamidullah was proficiently fluent in Urdu, Arabic, Persian, Turkish as well as English, French, German and Italian languages. This exemplary quality paved way for him to explore and present a wealth of remarkable and authentic research work to the world.

Dr Hamidullah never adopted the subcontinent's

typical aggressive and debating style; rather he used evidences and results through high caliber research work to amicably silence his opponents.

Dr Hamidullah was not given due value and importance that he deserved while he was alive; nevertheless, he knew what he was aiming for and remained focused. The seeds of his struggle and efforts started sprouting during his lifetime hence Islam is the fastest growing religion today in France and Europe and many of his disciples there are following on his footsteps.

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی شخصیت علمی حلقوں میں غیر معروف نہیں لیکن عام لوگوں میں ان کا تعارف مفقود ہونا افسوس کا مقام ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ ایک عظیم مفکر اور محقق تھے۔ اسلامی علوم وفنون کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا رہا ہوگا جس میں ڈاکٹر صاحب نے انتہائی عالمانہ اور انتہائی عمیق تحقیق کے نتائج دنیائے اسلام کے سامنے پیش نہ کیے ہوں۔(۱)

ڈاکٹر صاحب اصل میں قانون کے طالب علم تھے اور ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت قانون کے میدان میں ہوئی تھی۔ وہ قانون ہی کے استاد اور قانون ہی کے مصنف تھے اور اس میں بھی اصول قانون اور بین الاقوامی قانون ان کے دلچسپی کے میدان تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی دعوت کا دائرہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے مختلف مکاتب فکر کو بھی محیط تھا لہٰذا ان کی جدوجہد کے میدان کی اسی وسعت و ہمہ گیریت نے ان کی تحریر وتقریر کو اکثر ذیلی وفروعی بندشوں سے آزاد کر دیا تھا۔ جب بات کرتے تو ان کا مطمع نظر کسی مسلکی نقطہ نظر کی تائید وتردید نہ ہوتا بلکہ ان کا ہدف

اسلام کے منکر و مخالف افراد کو دین حق کی طرف راغب کرتا ہوتا۔ (۲)

خاندانی پس منظر اور تعلیم:

ڈاکٹر محمد حمیداللہ ۱۶ فروری ۱۹۰۸ء میں حیدر آباد دکن کے ایک قدیم محلہ محل منڈی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام ابو محمد خلیل اللہ اور والدہ کا نام بی بی سلطان تھا۔ والد مدراس سے نقل مکانی کر کے حیدر آباد آ گئے اور نظام دکن کے محکمہ مال گزاری Revenue Department میں Director کے عہدہ پر رکھ لئے گئے۔ دادا محمد صبغۃ اللہ بدرالدولہ کے قاضی اور پردادا مولوی محمد غوث شرف الملک مدراس کے عہدہ قضاء پر فائز رہے۔ آخر الذکر کو لارڈ کرزن نے شمس العلماء کے خطاب سے نوازا تھا۔ آپ کے نانا نواب قاسم جنگ نے صدر محاسب ریاست کرناٹک کا عہدہ نبھایا۔ آپ کی پانچ بہنیں اور چار بھائی تھے جن میں ایک بہن اور ایک بھائی بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ آپ تمام بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ (۳)

ابتدائی تعلیم بہنوں سے اور بعد ازاں والد سے حاصل کی جس کے بعد مدرسہ دارالعلوم اور جامعہ نظامیہ میں داخل کر دیے گئے جہاں سے ۱۹۲۳ء میں مولوی کامل کی سند نمایاں کامیابی سے حاصل کی۔ والد چونکہ مغربی تعلیم کے خلاف تھے اسلئے چھپ کر میٹرک کا امتحان دیا اور تمام طلباء میں سبقت حاصل کی والد کو اس کی خبر اخبار کے ذریعے ملی تو بجائے ناراض ہونے کے خوشی کا اظہار کیا جس سے تقویت پا کر اکے ایک نہ رکنے والے علمی سفر کا آغاز ہو گیا۔

انہوں نے ۱۹۳۰ء میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحانات میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور اسلام کے بین الاقوامی قانون پر تحقیق کے لئے وظیفہ کے اہل قرار پائے۔ بعد ازاں اسی موضوع پر Neutrality in Muslim International Law کے نام سے مقالہ لکھ کر ۱۹۳۳ء میں آپ نے بون یونیورسٹی (جرمنی) سے ڈی فل کی ڈگری حاصل کی اور پھر ۱۹۳۵ء میں سوربون یونیورسٹی (پیرس) سے عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹر آف لیٹرز

کی سند پائی۔ (۴)

درس وتدریس:

ڈاکٹر حمیداللہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۸ء تک جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں شعبہ دینیات اور قانون میں درس وتدریس کرتے رہے۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۸ء تک فرانس کے نیشنل سینٹر آف سائنٹیفک ریسرچ میں تحقیق کرنے کے ساتھ ساتھ فرانس، ترکی، جرمنی اور متعدد اسلامی ممالک کی یونیورسٹیوں میں لیکچر دیتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب اردو فارسی عربی اور ترکی کے علاوہ انگریزی فرانسیسی جرمن اطالوی زبانوں پر عبور رکھنے کی وجہ سے وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ اسی بنا پر مختلف اقوام و ادیان کے تاریخی اور تقابلی مطالعے کی بدولت آپ کے مقالات اور تصانیف کا علمی و تحقیقی مرتبہ نہایت بلند ہے۔ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں بھی آپ کو اس لسانی مہارت سے بڑی مدد ملی۔

آپ نے اہل مغرب کو اسلام کی حقیقی تعلیمات اور پیغمبر اسلامؐ کی سیرت طیبہ سے متعارف کرانے کے لیے مختلف مقالات اور متعدد کتابیں لکھیں۔ فرانسیسی زبان میں آپ کے ترجمہ قرآن مجید اور اسی زبان میں دو جلدوں پر مشتمل سیرت پاکؐ کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح انگریزی میں آپ کی کتاب Muhammad Rasul Allah بہت مقبول ہوئی۔ (۵)

آپ اپنی تقریروں اور تحریروں میں عام مبلغوں کا مناظراتی اور جارحانہ انداز کبھی اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ قدیم وجدید ماخذ کے تحقیقی و تقابلی مطالعے کے بعد اپنے نتائج فکر نہایت محتاط اور مثبت طریقے سے پیش کر دیے تھے۔ چنانچہ آپ کی تحریر کا یہ سائنٹیفک انداز اور استدلال کا مجتہدانہ اسلوب جدید دور کے سنجیدہ علمی مذاق کو بہت متاثر کرتا ہے۔ (۶)

حالات زندگی اور علمی وتحقیقاتی خدمات:

ڈاکٹر حمیداللہ کی فرانس میں مستقل سکونت کی وجہ یہ بنی کہ ۱۹۴۸ء میں وہ

سقوط حیدر آباد سے پہلے سیکورٹی کونسل کے اس وفد میں شریک ہو کر نیویارک پہنچے جو نواب معین نواز جنگ وزیر خارجہ مملکت حیدر آباد کی قیادت میں وہاں پہنچا تھا۔ جس وقت سلامتی کونسل میں حیدر آباد کا دستوری مقدمہ سنا جا رہا تھا اسی دوران یہ افسوسناک خبر ملی کہ بھارت نے حیدر آباد پر جارحانہ کاروائی کر کے اپنی کثیر فوج کے ساتھ اس آزاد ریاست کو زبردستی ہندوستان میں ضم کرلیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس سانحے کے بعد پھر کبھی حیدر آباد نہیں گئے اور پیرس میں پناہ گزیں ہو کر علمی اور تحقیقاتی کام کے ساتھ ساتھ حیدر آباد کی آزادی کے لئے بھی عرصہ دراز تک کوشاں رہے۔

ڈاکٹر صاحب تمام عمر پیرس کے ایک مرکزی علاقے کی چار منزلہ قدیم عمارت میں اسکی چوتھی منزل کے ایک چھوٹے سے کمرے میں رہائش پذیر رہے۔ اس عمارت میں لفٹ نہیں تھی صرف لکڑی کا زینہ تھا جس سے پیرانہ سالی میں بھی وہ دن میں کئی بار اترتے چڑھتے۔ ایک مرتبہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے پیرس ہی کو اپنی مستقل رہائش گاہ کے لئے کیوں منتخب کیا؟ ڈاکٹر حمید اللہ نے بتایا کہ ایک تو ایسا تحقیقی ادارہ کہیں اور نہیں جیسا یہاں میسر ہے، دوسرے یہاں عظیم الشان لائبریریاں، جو کہ قریباً ایک کروڑ کتابوں پر مشتمل ہیں، موجود ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی۔ مزید یہ کہ فرانس کا ماحول بھی نسبتاً زیادہ پرسکون اور علمی ہے اور اگرچہ یہاں اسلام دشمنی کا جذبہ بہت شدید ہے لیکن اس کے باوجود صرف پیرس میں ایک لاکھ سے زائد فرانسیسی مسلمان ہو چکے ہیں، یہاں ایک سو سے زائد مساجد موجود ہیں اور اسلام قبول کرنے والے فرانسیسیوں کا یومیہ اوسط ۸ تا ۱۰ ہے۔ (۷)

ڈاکٹر حمید اللہ کی شخصیت کا ایک حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ ان کی پوری زندگی، متعلم اور معلم دونوں حیثیتوں سے، جرمنی اور فرانس میں گزری لیکن ان کی فکر اور تحریر پر مغربی فکر اور تہذیب کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر نہیں آتا اور وہ دیوبند یا ندوہ جیسی کسی دینی درسگاہ کے فاضل استاد کا سا اسلوب نگارش رکھتے ہیں جس میں اسلامیات و دین پر گہرے اعتقاد کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ وہ جدید ترین دنیا کے شہری، اس کے علوم

کے شناسا اور اس کے انتہائی ترقی یافتہ باشندوں کے مسلمہ استاد ہیں مگر اپنی فکر اور تحریر کے لحاظ سے وہ متقدمین کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہاں کسی کو چند ہفتوں کے لئے مغرب کی ہوا لگ جائے تو وہ اپنے دیس میں خود کو اجنبی محسوس کرنے لگتا ہے، لیکن ڈاکٹر حمید اللہ کی اسلامی فکر اور مشرقی تہذیب یورپ میں برسوں کی رہائش کے باوجود ذرا متاثر نہ ہوئی بلکہ اس نے اُلٹا اہل یورپ کو متاثر کیا اور ہزاروں افراد کو اسلام کی آغوش میں پہنچادیا۔ مغربی تہذیب علامہ اقبال کی طرح ڈاکٹر حمید اللہ کا بھی کچھ نہ بگاڑ سکی۔ (۸)

یہ بات کس حد تک درست ہے، ذیل کے چند واقعات اس کی تصدیق کے لئے کافی ہیں۔

"تکبیر" کے مدیر شہید مولانا محمد صلاح الدین نے ۱۹۹۴ء کے اوائل میں پیرس میں ڈاکٹر حمید اللہ سے چند ملاقاتیں کی تھیں۔ ان کے گھر (فلیٹ) میں داخل ہوتے ہوئے کچھ اس طرح کے تاثرات پیش کرتے ہیں:

"انہوں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ہمیں یوں محسوس ہوا کہ کتابوں کے کسی گودام میں آگئے ہیں۔ ایک بوسیدہ صوفہ، فائلوں اور کتابوں سے لدی ایک پرانی میز، ایک جانب چھوٹی سی چارپائی اور سٹیل کی تین چھوٹی کرسیاں، کتابوں کے بڑے بڑے بکسوں اور کریٹوں کے درمیان جمی ہوئی بلکہ پھنسی ہوئی تھیں اور ان پر بیٹھنے سے قبل انہیں کتابوں اور فائلوں کے بوجھ سے آزاد کرنا ضروری تھا۔" (۹)

اس وقت کے وزیر اعظم، نواز شریف کے ساتھ اسی دورے کے دوران ایک ملاقات کا حال قلمبند کرتے ہیں:

"وزیر اعظم نے ڈاکٹر صاحب کے حالات سن کر یہ بھی پیشکش کی کہ آپ کے لئے حکومت کی طرف سے ایک ملازم فراہم کردیا جائے گا جو گھر اور باہر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹا سکے گا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مجھے اس سے محفوظ ہی رکھیے۔ وہ میرا وقت خراب کرے گا جسے میں اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق صرف

کرتا ہوں۔ وزیر اعظم نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے اس پر بھی غور کرنے کا وعدہ کیا۔ ٹی وی کے کیمرہ میں داخل ہوئے تو ڈاکٹر صاحب نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور وزیر اعظم سے کہا کہ مجھے اس سے محفوظ رکھیے۔ وزیر اعظم کے اشارے پر تمام کیمرہ مین باہر نکل گئے۔ اس لئے یہ ملاقات ٹی وی پر پیش نہ کی جا سکی۔" (۱۰)

اپنی اور ڈاکٹر صاحب کی ایک تنہائی کی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں کہ:

"موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب سے ایک نازک سوال کر ڈالا۔ ڈاکٹر صاحب آپ زندگی بھر قرآن و سنت کا درس دیتے رہے اور اس پر عمل بھی کرتے رہے، مگر آپ نے ایک سنت پر عمل نہیں کیا یعنی نکاح، اس کا کیا جواز ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے ایک لمحہ کا توقف کئے بغیر کہا کہ "میں سخت گناہ گار ہوں، مجھے خود اس کا احساس ہے اور اب بڑھاپے میں تو اس کوتاہی کا بہت شدت سے احساس ہے، اللہ مجھے معاف فرمائے۔ آپ بھی میری اس کوتاہی پر معافی اور مغفرت کی دعا کیجئے۔ اس عمر میں اس کوتاہی کا ازالہ کرنا بھی چاہوں تو اب اس کا امکان کہاں؟" یہ کہہ کر مزید کھلے اور اصل سبب بتایا کہ ہمارے ہاں یہ کام والدین کے ذمے ہوتا ہے۔ میں چونکہ ایک طرف وطن سے دور یہاں تنہا رہا اور دوسری طرف والدین سے بھی محروم تھا، اس لئے خاندان میں کسی کو خیال نہ آیا۔ میں تعلیم و تحقیق میں اس درجہ منہمک اور مستغرق رہا کہ اس طرف توجہ ہی نہ گئی، بس یوں ہی وقت گزرتا گیا۔ یہ کوتاہی عمداً نہیں ہوئی، سہواً حالات نے اس کے اسباب پیدا کر دیئے۔ میں نے دوسرا سوال تصویر سے اس درجہ گریز کے بارے میں کیا تو ڈاکٹر صاحب نے وہی جواب دیا کہ اسلام میں اس کی اجازت نہیں۔ میں نے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ وغیرہ کی تصویروں کا حوالہ دیا تو انہوں نے کہا کہ تصویر کو انہی ناگزیر ضروریات تک محدود رہنا چاہئے، یہ تشہیر کا نہیں شناخت کا معاملہ ہے۔ میں تشہیر کے لئے تصویر کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں؟ یہ جواب تھا اس شخص کا، جس کی زندگی تصویروں کے سیلاب کے درمیان گزری ہے۔ ڈاکٹر حمیداللہ سے میں نے پوچھا: "آپ پاکستان میں وزارت تعلیم جیسا کوئی منصب سنبھالتے تو کیا اس

کے دور رس نتائج برآمد نہ ہوتے؟" ڈاکٹر صاحب نے مسکرا کر جواب دیا: "میں نے جس کام کے لیے خود کو وقف کیا ہے وہ کسی ملک کے وزیر اعظم سے زیادہ اہم ہے۔" (۱۱)

بظاہر یہ واقعات ایک غیر فطری اور غیر متوازن زندگی کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں لیکن اسی طرز زندگی کے ثمرات آج فرانس میں مذہب اسلام کی قبولیت اور فروغ کی صورت میں پھلتے پھولتے دیکھے جا سکتے ہیں۔

آیئے ان کی تحقیقی کاوشوں اور کارناموں کی طرف لوٹتے ہیں۔ بین الاقوامی قانون سے شروع ہی سے دلچسپی کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو اسلام کے قانون بین الاقوام سے دلچسپی پیدا ہوئی جس کے لئے وہ قانون بین الممالک کی اصطلاح کو زیادہ موزوں سمجھتے تھے۔ انکی ایک تصنیف Muslim Conduct of State اس موضوع پر انتہائی منفرد کتاب ہے جو ۱۹۴۵ء میں لکھی گئی۔ بین الاقوامی قانون کا اس زمانے میں جو تصور تھا اور اس وقت تک اس نے جو ترقی کی تھی اس کو سامنے رکھ کر انہوں نے اس سارے اسلامی مواد کو نئے انداز سے مرتب کیا۔ اس زمانے میں بین الاقوامی قانون کی انتہائی مقبول کتاب اوپن ہائم کی International Law تھی جو تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں میں درسی کتاب کے طور پر معروف و مقبول تھی۔ انہوں نے اس کتاب کو بطور نمونہ کے سامنے رکھا، اس میں مضامین کی جس طرح تقسیم تھی اس کو اپنایا اور فقہ اسلامی کے علاوہ پورے اسلامی ادب میں بین الاقوامی تعلقات پر جو مواد دستیاب تھا اس سب کو کھنگال کر سارے مواد کو ایک نئی ترتیب سے مرتب کیا۔ اس لحاظ سے شاید کتاب ۱۹۴۱-۱۹۴۰ء تک اسلامی تحقیق کا سب سے اعلیٰ نمونہ قرار دی جا سکتی ہے۔ (۱۲)

بین الاقوامی قانون ۱۹۴۱ء تک جیسا کچھ تھا، اس میں زیر بحث کوئی اہم اور بنیادی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو اوپن ہائم نے اٹھایا ہو اور ڈاکٹر صاحب نے اسلامی مآخذ اور مصادر سے تلاش کر کے اس کا جواب نہ دیا ہو۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے

نقطۂ فقہ کی کتابوں سے ہی کام نہیں لیا بلکہ اس کے علاوہ تاریخ، سیرت اور مسلمانوں کی حربیات، مسلمان ملاحوں کی یادداشتوں اور ان کی بحریات، مسلمان سیاحوں کے تذکرے اور یادداشتیں، سفرنامے غرض کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انہوں نے اس کتاب میں کام نہ لیا ہو۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک خاص انداز یہ تھا کہ مسلسل اپنی تحقیق میں اضافہ کرتے رہتے تھے اور اگر کہیں ایک لفظ کے اضافے کی گنجائش انہیں معلوم ہوتی تھی تو اپنے خاص نسخے میں اضافہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں Muslim Conduct of State کی آٹھ اشاعتیں سامنے آئیں اور ہر ایڈیشن میں انہوں نے پہلے کے مقابلے میں اضافے اور مزید معلومات بیان کی ہیں۔ غالباً اسی زمانے میں جب وہ ان وثائق و دستاویزات پر کام کر رہے تھے، ان کو سیرت کے کام سے دلچسپی پیدا ہوئی اور پھر انہوں نے زندگی کے بقیہ پانچ چھ عشرے سب کے سب سیرت کے کام میں صرف کئے اور ان کی تمام تر توجہ کا مرکز سیرت اور علم الحدیث رہے۔ (۱۳)

ڈاکٹر صاحب کے وقت میں اللہ تعالیٰ نے کیسی برکت رکھی تھی اس بات کو ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنے اس ذاتی مشاہدہ سے بیان کرتے ہیں:

''ان کی کتاب "Muslim Conduct of State" کا ایک خاتون نے اردو ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب اکتوبر ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں ایک سیمینار میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان سے میں نے ذکر کیا کہ آپ کی کتاب کا ترجمہ ایک خاتون نے کیا ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ آپ ایک نظر اس پر ڈال لیں۔ انہوں نے کہا دے دیجئے۔ سیمینار کے اختتام پر مغرب کے وقت وہ ہوٹل واپس جا رہے تھے، میں نے وہ بستہ ان کو دے دیا۔ اگلے دن میں صبح ساڑھے نو بجے پہنچا تو وہ بستہ بغل میں دبائے ہوئے تھے اور کہا یہ لے لیجیے۔ میں نے دیکھا تو اس کے کم و بیش ہر صفحہ پر کوئی نہ کوئی اصلاح اور غلطی کی درستگی موجود تھی جو انہوں نے کی ہوئی تھی۔ اب بظاہر اگر وہ پوری رات بھی کام کرتے رہے ہوں تو دس یا بارہ گھنٹے جو دو ملاقاتوں کے درمیانی وقفے سے عبارت تھے، اس مدت میں پانچ سو ساڑھے پانچ سو صفحات کا مسودہ دیکھنا

اور ہر صفحے پر اصلاح کرنا میرے خیال میں ممکن نہیں۔ اس سے مجھے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جو بعض صوفیہ نے لکھا ہے کہ انسانوں کے لیے جو وقت اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، اس میں کچھ لوگوں کے لیے عام وقت میں سے طول رکھا ہے، خاص انسانوں میں وقت کے لیے عرض بھی رکھا ہے اور خاص الخاص انسانوں کے لیے عمق بھی رکھا ہے اور اس میں گہرائی بھی ہوتی ہے، تو شاید ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تین پہلو وقت Three Dimensional Time دیا تھا۔'' (۱۴)

اسی طرح قرآن مجید کے فرانسیسی ترجمہ کے دوران ڈاکٹر صاحب کی عرق ریزی اور دقیق نظری کا ایک نمونہ نقل کرتے ہوئے ڈاکٹر غازی لکھتے ہیں:

''وہ مختلف معاملات پر اس طرح سے مسلسل سوچتے رہتے تھے اور ایسے سوالات اٹھاتے تھے کہ جن کا جواب کم از کم ان کے مخاطبین کے پاس نہیں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھے لکھا کہ آج کل میں اپنے فرانسیسی ترجمے پر نظر ثانی کر رہا ہوں اور غالباً دسویں یا بارہویں نظر ثانی ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ عربی زبان میں یا ویلنا، یا ویلتنا اور یا ویلتا میں کوئی فرق ہے یا نہیں ہے۔ اور اگر فرق ہے تو اس کو فرانسیسی یا انگریزی میں کیسے بیان کیا جائے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہاں جتنے بھی عربی دان یا اساتذہ تھے (میں کسی کی تحقیر نہیں کرتا) سب سے میں نے بات کی۔ اول تو اکثر کے ذہن میں یہ سوال پہلی مرتبہ آیا تھا کہ ان میں فرق بھی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ فرق تو ہے۔ عربی کے تین الگ الگ الفاظ ہیں۔ قرآن پاک نے تین سیاقوں میں یہ تین الفاظ استعمال کیے ہیں تو کیوں کیے ہیں؟ کافی غور و خوض کے بعد یا ویلنا اور یا ویلتا کا فرق تو سمجھ میں آگیا، لیکن اس کو انگریزی میں کیسے بیان کیا جائے غالباً انگریزی زبان اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فرانسیسی میں کیسے استعمال کیا جائے، یہ ڈاکٹر صاحب کو بہتر معلوم ہوگا۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ کرانا مقصود ہے کہ عام مترجمین قرآن بلکہ بڑے بڑے مترجمین قرآن نے، یا کسی نے بھی یا ویلنا اور یا ویلتا کے ترجمے میں کوئی فرق نہیں کیا۔ یہ انگریزی زبان میں ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اسلامی علوم وفنون پر کتنی گہرائی اور باریک بینی سے کام کیا۔'' (۱۵)

علم الحدیث میں ان کے کام کی حیثیت ایک خاص انداز کی ہے۔ وہ معروف معنوں میں محدث نہیں کہلائے۔ انہوں نے علم الحدیث کی تدریس کا اس انداز سے کام نہیں کیا جیسا علم حدیث کے اساتذہ کرتے ہیں لیکن علم الحدیث کی تاریخ میں وہ ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مستشرقین نے پچھلی صدی کے اواسط سے ایک خاص نقطۂ نظر اپنایا تھا کہ علم حدیث کے نام سے جو ذخیرہ مسلمانوں کے پاس اس وقت موجود ہے یہ تاریخی اعتبار سے مستند نہیں ہے۔ اس لیے کہ علم حدیث کے بیشتر متداول مجموعے تیسری صدی میں مرتب ہوئے۔ اس وجہ سے مستشرقین نے یہ کہنا شروع کردیا تھا کہ چونکہ یہ چیزیں تین چار سو سال بعد لکھی گئی ہیں اور اس وقت تک زبانی یادداشتوں کے ذریعے چلتی رہیں اور زبانی یادداشتوں میں سہو اور نسیان کا جو امکان ہے وہ واضح ہے، اس لئے تاریخی اعتبار سے یہ سارا ذخیرہ غیر مستند ہے۔ (۱۶)

ڈاکٹر حمید اللہ ان اوّلین شخصیتوں میں سے ہیں جنہوں نے اس موضوع کا علمی جواب دینے کا فیصلہ کیا اور بڑی تحقیق سے یہ ثابت کیا کہ صحابہ کرامؓ اور خود رسول اللہؐ کے زمانۂ مبارک میں حدیث کی تحریر وتسوید اور تدوین کا کام شروع ہو چکا تھا جس میں دور تابعین میں بڑی وسعت پیدا ہوئی۔ صحابہ کرامؓ سے یہ پورا ذخیرہ زبانی اور تحریری دونوں انداز سے تابعین کو منتقل ہوا اور اسی انداز سے تابعین نے اپنے بعد کی نسل تک پہنچایا۔ اس وقت حدیث کے جتنے مجموعے ہمارے سامنے ہیں یہ سب کے سب نہ صرف سند متصل سے رسول اللہؐ تک پہنچتے ہیں بلکہ ہر دور میں، ہر سطح پر تحریری یادداشتیں اور ذخیرہ بھی موجود تھا جس پر اس کی بنیاد ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہ نے سب سے پہلے ۴۳-۱۹۴۲ء میں صحیح بخاری کے مآخذ پر کام شروع کیا اور ابتدائی طور پر انہوں نے یہ پتہ چلایا کہ صحیح بخاری کے مآخذ میں ایک بڑا اہم مآخذ امام عبدالرزاق صنعانی (متوفی ۲۱۱ھ) بھی ہیں۔ امام عبدالرزاق صنعانی کی کتنی احادیث صحیح بخاری میں ہیں، اس کا انہوں نے جائزہ لیا اور معلوم کیا کہ امام عبدالرزاق نے اپنے تمام ذخیرے کو ایک کتاب کی صورت میں مرتب کرلیا تھا۔ اس لئے یہ کہنا کہ امام بخاری اور امام عبدالرزاق

کے درمیان سنی سنائی باتیں نقل کردی گئی ہیں درست نہیں ہے۔ پھر امام عبدالرزاق کے اساتذہ میں ان کے مآخذ معمر بن راشد ہیں جن کی وجہ سے تابعین کی سطح تک تحریری مآخذ کی نشاندہی ہوجاتی ہے۔ پھر معمر بن راشد کے مآخذ میں دو مآخذ کا خاص طور پر انہوں نے ذکر کیا۔ ایک عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، جن کے بارے میں تمام کتب حدیث میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضورؐ کی زندگی میں ''صحیفہ صادقہ'' کے نام سے پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ دوسرا مجموعہ حضرت ابو ہریرہؓ کے تلمیذ ہمام بن منبہ کا مرتب کردہ تھا۔ اس ذخیرہ سے معمر بن راشد نے فائدہ اٹھایا۔ معمر بن راشد نے وہ ذخیرہ عبدالرزاق کو منتقل کیا، عبدالرزاق نے وہ ذخیرہ امام بخاری کو منتقل کیا اور یوں امام بخاری کی کتاب سامنے آئی جو اپنی ترتیب کی عمدگی اور جامعیت کی وجہ سے مقبول ہوئی۔ بقیہ مجموعوں میں ترتیب کی وہ عمدگی نہیں تھی یا وہ جامعیت نہیں تھی اس لئے وہ مقبول نہیں ہوسکے۔ (۱۷)

یہ بات آج کہنے کو بڑی آسان لگتی ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب کو اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے کتنا مطالعہ کرنا پڑا ہوگا، کتنے کتب خانوں کی چھان بین کرنی پڑی ہوگی اور کتنے سال لگے ہوں گے، اس کا اندازہ مشکل ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کا ثمر یہ ہے کہ اس تحقیق کی بنیاد پر دورِ جدید میں بہت سے مصنفین نے اس اسلوب تحقیق کو آگے بڑھایا اور پھر دلائل، قرائن اور شواہد سے اسی بات کو پورے طور پر یوں ثابت کردیا کہ آج کوئی مستشرق یہ بات نہیں کہتا کہ علم حدیث کی بنیاد سنی سنائی روایات پر ہے۔ یہ وہ بنیادی اہمیت کا کام تھا جو ڈاکٹر حمید اللہ نے علم حدیث کے باب میں کیا اور جس کی وجہ سے تحقیق میں ایک نئی جہت اور نئی رو کا آغاز ہوا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی رحلت:

۱۹۹۶ میں ۸۸ سال کی عمر میں جب ڈاکٹر صاحب سخت علیل پڑ گئے تو اُن کے بڑے بھائی کی پوتی سدیدہ احسان کی تیمارداری کے لئے پیرس آگئی اور ایک سال یہاں گزارنے کے بعد انہیں ساتھ امریکہ کی ریاست فلوریڈا لے گئی۔ اپنی زندگی کے

آخری ایام کلوریڈا کے شہر جیکسن ول میں گزارنے کے بعد وہ ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء میں ۹۵ سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ (۱۸)

سدیدہ نے بعد میں بتایا کہ اُس روز وہ صبح اٹھے اپنے کمرے سے نکل کر ناشتہ کیا اور معمول کے مطابق گھر میں ٹہلتے رہے اور اپنی مصروفیات میں لگے رہے۔ دوپہر میں قیلولے کی عادت تھی بعد نماز ظہر اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ عصر کے وقت ہمیں یہ احساس ہوا کہ وہ نماز کے لئے نہیں اٹھے اور جب ہم انہیں اٹھانے کے لئے پہنچے تو معلوم ہوا کہ نیند کی حالت میں ان کی روح خالق حقیقی سے جا ملی تھی۔ (۱۹)

شاہ بلیغ الدین لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر حمید اللہ کو متعدد بار ایوارڈز اور انعامات کی پیشکش کی گئی لیکن ہر بار انہوں نے عاجزی اور انکساری سے معذرت کر لی تھی کہ سعودیہ کی طرف سے فیصل ایوارڈ اور پاکستان کی جانب سے ہجرہ ایوارڈ پر بھی انہوں نے یہی رویہ اپنائے رکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دینی کاموں کا معاوضہ کسی صورت اور کسی بھی انداز سے لینا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ (۲۰) شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ صرف علم و عمل کی وہ صورت تھی جس کا نام ''تقویٰ'' ہے اور کردار صحابہ کی یہ متاع گم گشتہ اب ملت اسلامیہ میں شاذ و نادر ہی کسی اہل نظر میں ملتی ہے اللہ نے کردار کی یہ عظمت ڈاکٹر حمید اللہ کو عطا فرمائی تھی۔ (۲۱)

ڈاکٹر حمید اللہ کی چند تصانیف و تراجم کی فہرست:

اُردو:

۱۔ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، طبع ثالث، کراچی ۱۹۸۱ء

۲۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، طبع جدید، کراچی ۱۹۸۰ء

۳۔ رسول اکرمؐ کے میدان جنگ، طبع حیدرآباد دکن (نیز انگریزی، فرانسیسی، ترکی اور فارسی ایڈیشن انگریزی ایڈیشن تازہ تر ہے)۔

۴۔ صحیفہ ہمام بن منبہ (حدیث کا قدیم ترین مجموعہ اور تاریخ تدوین حدیث) طبع حیدرآباد دکن (نیز انگریزی، فرانسیسی، ترکی اور فارسی ایڈیشن انگریزی ایڈیشن تازہ تر ہے)۔

۵۔ امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی، طبع سادس، کراچی ۱۹۸۳ء۔

۶۔ عہد نبویؐ کے واقعات کے لئے تقویمی پیچیدگیاں، اورینٹل کالج، لاہور، اگست ۱۹۶۴ء۔

۷۔ قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں، طبع حیدرآباد دکن ۱۹۳۶ء۔

۸۔ قانون بین الممالک کی تازہ ترقیاں (مجلہ طیلسا نین حیدرآباد دکن ۱۹۴۱ء۔

۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مادہ ہائے بدر، بعثت، ثقیف، حدیبیہ، حلف الفضول، حنین، خط، خندق، خیبر۔

۱۰۔ روزہ کیوں؟ طبع حیدرآباد دکن ۱۹۲۹ء (نیز انگریزی، فرانسیسی اور ترکی ایڈیشن فرانسیسی ایڈیشن تازہ تر ہے)۔

۱۱۔ محمدؐ رسول اللہ (نذیر حق کا انگریزی سے ترجمہ۔ اصل انگریزی، مطبوعہ حیدرآباد دکن، یا ترکی ایڈیشن بہتر ہے)۔ (۲۲)

۱۲۔ قانون شہادت، ۱۹۴۴ء میں حیدرآباد سے شائع ہوئی۔

۱۳۔ اسلامی قانون تصادم (پروفیسر مکرس کرواہی کی فرانسیسی تصنیف کا اردو ترجمہ)۔

۱۴۔ امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی (طبع سادس کراچی ۱۹۸۳ء)

۱۵۔ عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم۔ ۱۳۶۱ ہجری میں حیدرآباد سے شائع ہوئی۔

۱۶۔ عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی۔ پہلا ایڈیشن مکتبہ جامعہ دہلی نے ۱۹۴۴ء میں شائع کیا دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں کراچی سے چھپا۔

۱۷۔ مسلمانوں کا طرز حکومت۔ ۱۹۷۷ء میں ساتواں ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا۔

۱۸۔ اسلامی قانون اور نظریہ کا دستوری ارتقاء (ڈی بی میکڈانلڈ کی انگریزی کتاب کا ترجمہ)

۱۹۔ خطبات بہاولپور (مؤلف کا نظر ثانی اور تصحیح شدہ ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد سے شائع ہوا) (۲۳)

عربی

۱۔ الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة، طبع خامس ۱۹۸۵ء، بیروت۔

۲۔ حل القانون الرومي تأثير على فقه الاسلامي؟ بیروت ۱۹۷۳ء

۳۔ التاريخ المقارن للقرآن الكريم والصحف السماوية الاخرى، مجلة الامة، قطر ۱۹۸۲ء

۴۔ الحجر الاسود يمين الله في الارض، مجلة الفكر الاسلامي، بیروت، اکتوبر ۱۹۷۲ء

۵۔ فتح الاندلس في خلافة سيدنا عثمانؓ، اسلام تدقیقلری انستی تو سو درگیسی، جامع سے استانبول ۱۹۷۸ء

۶۔ المصادر الاسلامية لداروين في نظرية عن اصل الانواع، مجلة الدراسات الاسلامية، اسلام آباد ۱۹۸۱ء

۷۔ الاجتهاد في عصر الصحابة ایضاً ۱۹۸۴ء

۸۔ تدوين القرآن وتراجمه ایضاً ۱۹۸۵ء

۹۔ اقدم آثار تدوين الحديث كتابة ایضاً ۱۹۸۵ء (۲۴)

۱۰۔ مصحف عثمانی (سمرقند کے نسخے سے فوٹو کاپی کروا کر جدید عربی خط میں نقطوں اعرابوں کے ساتھ مرتب کر کے فلاڈلفیا (امریکہ) سے ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔

۱۱۔ القرآن في كل لسان ۔ (۱۲۰ زبانوں میں قرآنی تراجم کی ببلیوگرافی کے ساتھ اور سورۃ فاتحہ بطور نمونہ شائع کیا تھا۔

۱۲۔ کتاب النبات (ابو حنیفہ دینوری کی درختوں کے بارے میں انسائیکلوپیڈیا) (۲۵)

English:

1. Muslim Conduct of State, 7th ed. Lahore. 1977 (also in Turkish)
2. The First Written-Constitution in the World, 3rd ed. Lahore. 1975
3. Muhammad Rasulullah, Hyderabad-Deccan 1974 (also in Turkish)
4. Introduction to Islam, (in a dozen languages but not in Urdu)

5. The Battlefields of the Prophet, 3rd ed. Hyderabad-Deccan 1983 (also Turkish, Persian and French)
6. The Prophet's Establishing a State and His Succession, Hyderabad-Deccan 1986; rev. ed. Islamadbad 1988
7. Sahifah Hammam ibn Munabbih, Hyderabad-Deccan rev. ed. 1979, also French
8. "Administration of Justice under the Early Caliphate". Journal of Pakistan Historical Society, January 1971, Karachi.
9. "Constitutional Problems in Early Islam", Islam Tetkikleri Enstitusu Dergisi, Istanbul University 1973.
10. "The City-State of Mecca", in Islamic Culture, Hyderabad-Deccan 1938.
11. "Some Arabic Inscriptions of Medinah of the Early years of Hijrah", in Islamic Culture, Hyderabad-Deccan 1939.
12. "The Friendly Relations of Islam with Christianity and How they Deteriorated" Journal of Pakistan Historical Society, Karachi. 1953
13. "New Light on the character of abu Sufyan the Companion of the Prophet", in Islamic Literature, Lahore 1953.
14. "Budgeting and Taxation in the time of the Holy Prophet" in Journal of Pakistan Historical Society, Karachi, 1955.
15. "Two Christians of Pre-Islamic Mecca, 'Uthman ibn al-Hawairith and Waraqa ibn Naufal", in Journal of Pakistan Historical Society, Karachi 1958.
16. "The Christian Monk Abu Amir of Madina of the time of the Holy Prophet", in Journal of Pakistan Historical Society, Karachi 1959. (26)
17. An Introduction to the Conservation of Hadith, Published by Islamic Books Trust.
18. The Emergence of Islam, Adam Publishers & Distributors, Delhi, India
19. The Life and Work of the Prophet of Islam, Adam Publishers & Distributors, Delhi,India (27)

التفسیر ڈاکٹر محمد حمید اللہ

حوالہ جات

(۱،۲) ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیسوی صدی کے ممتاز ترین محقق، بحوالہ سید قاسم محمود، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بہترین تحریریں، بیکن بکس ملتان-لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۳۵

(۳) رشید شکیب، محقق عصر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا سوانحی خاکہ، بحوالہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بہترین تحریریں، ملخصاً از ص۱۹تا۲۰ **(۴)** ایضاً، ص۲۰

(۶،۵) خطبات بہاولپور، طبع ششم، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء، ص۱۵

(۷) محمد صلاح الدین شہید، ڈاکٹر محمد حمید اللہ نام اور کام، مرحوم اسکالر کی خدمات اور اُن سے ایک تاریخی ملاقات کا تذکرہ، بحوالہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بہترین تحریریں، ص۲۶

(۸) ایضاً، ص۲۶ **(۹)** ایضاً، ص۲۸

(۱۰) ایضاً، ص۳۲ (۱۱) ایضاً، ص۳۲،۳۳

(۱۲) ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیسوی صدی کے ممتاز ترین محقق، بحوالہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بہترین تحریریں، ملخصاً از ص۳۶تا۳۸

(۱۳) ایضاً، ص۳۹ (۱۴) ایضاً، ص۳۸

(۱۵) ایضاً، ص۳۷ (۱۶) ایضاً، ص۴۰

(۱۷) ایضاً، ص۴۰،۴۱

(۱۸) شاہ بلیغ الدین، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رحلت، بحوالہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بہترین تحریریں، ص۴۳

(۱۹) ایضاً، ص۴۳ (۲۰) ایضاً، ص۴۳

(۲۱) ایضاً، ص۴۳ (۲۲) خطبات بہاولپور، ص۳۸۲

(۲۳) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بہترین تحریریں، ص۴۱،۴۲،۴۳

(۲۴) خطبات بہاولپور، ص۳۸۲،۳۸۳

(۲۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بہترین تحریریں، ص۴۱،۴۲

(۲۶) خطبات بہاولپور، ص۳۸۵،۳۸۶

(۲۷) http://kitaabun.com/shopping3/index.php?manufacturers_id=66

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد۹، شمارہ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

مولانا گوہر رحمان۔ حیات وخدمات

حافظ عقیل احمد

The Holy Prophet has said, "The scholars are the heirs of the prophets". Muhammad (PBUH) was the last prophet of Allah. That's why this Ummah will produce such scholars as to revive "Deen" and to lead the Ummah in order to empower them with knowledge, practice and spirituality. Therefore, in every era, the great scholars suppressed the disbelievers and made Din-e-Islam towering in scholarly domain. In this connection, Maulana Gohar Rahman was among those religious scholars who earned tremendous fame. Maulana Gohar Rahman occupied distinctive and unique place among religious scholars. He was strongly determined, embodiment of sincerity and a man of many qualities. He always demonstrated pure thinking, positive

attitude and righteous action. His matchless personality made him popular among all religious schools of thought. He was treated with great respect and dignity on account of his unbiased multidimensional personality. He was the illustrator the Holy Quraan, Sheikh-ul-Hadith, jurist, researcher, preacher and a great political leader. He spent all his life struggling for practical implementation of Shariat-e-Islam. He kept himself engaged in many useful and productive activities for the achievement of this gigantic purpose. Maulana used his powerful pen on many critical political, economical and social issues and presented their solutions in the light of Quraan and Sunnah. Maulana appears as torch bearer for those who are eager to do some social and reformative work for human welfare. The article under consideration presents an introduction to Maulana Gohar Rahman's brief biography, scholarly and political services.

مولانا گوہر رحمان کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں آپ مفسر قرآن، شیخ الحدیث، فقیہ، محقق، داعی اور ایک سیاسی رہنما تھے۔ آپ کی زندگی شریعت اسلامی کے عملی نفاذ کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے گزری۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے مولانا نے علمی اور عملی دنیا میں کئی کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

حضرت مولانا گوہر رحمٰن ۵فروری۱۹۳۶ءکو چھرای گاؤں درہ عنگی تحصیل وضلع مانسہرہ ہزارہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام مولوی شریف اللہ ہے جو اپنے گاؤں چھرای

سے دس میل دور کوہائی نامی گاؤں میں امامت کے فرائض سر انجام دیتے تھے مجموعی طور پر مولانا کا خاندان علمی اور مذہبی پہچان رکھتا تھا۔

مولانا محمد ہارون آپ کے خاندانی پس منظر کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

"آپ کے جد امجد مولانا عبدالکریم بابا مشہور عالم دین اور مجاہد تھے جنہوں نے اخون بابا کے ساتھ مل کر سکھوں کے خلاف جہاد کیا آپ کے والد محمد شریف اللہ ایک بڑے عالم دین تھے جو شیر گڑھ کے علاقے کوہائی تحصیل اوگی ضلع مانسہرہ میں امامت اور دینی خدمات سر انجام دیتے رہے آپ کا خاندان افغان قبیلہ کی اکوزئی شاخ سے تعلق رکھتا ہے آپ دو بھائی اور چار بہنیں ہیں سب سے بڑی بہن اور چھوٹی بہن وفات پا چکی ہیں جبکہ ایک بھائی مولانا محمد ہارون خطیب جامع مسجد تکندر آباد ضلع ایبٹ آباد اور دو بہنیں بقید حیات ہیں۔"(۱)

عبدالکریم بابا سلسلہ چشتیہ کے ایک مشہور پیر اخون بابا کے شاگرد تھے اخون بابا دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں کابل سے ہجرت کر کے سوات آگئے ان دنوں ضلع مانسہرہ اور اس کے اردگرد علاقوں میں سکھوں کی حکومت قائم تھی اخون بابا نے عبدالکریم کو مانسہرہ بھیجا تاکہ اس علاقے میں دعوت وتبلیغ کا کام کیا جائے عبدالکریم بابا نے ضلع مانسہرہ کے گاؤں چھراسی کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا کیونکہ یہاں مسلمان کثیر تعداد میں بستے تھے۔

مولانا گوہر رحمٰن کا خاندانی پس منظر علمی اور مذہبی پہچان کا حامل ہے ان خاندانی روایات کا حقیقی عکس آپ کی ذات میں نظر آتا ہے خصوصا آپ کی شخصیت میں نمایاں اثرات آپ کی والدہ کے ہیں جو اپنی نیکی اور تقویٰ میں بہت معروف تھیں آپ کو علوم دینیہ کی طرف مائل کرنے میں اصل کردار آپ کی والدہ کا ہے جن کی پاکیزہ سوچ اور مثبت طرز عمل کے نتیجے میں مولانا گوہر رحمٰن نے تعلیم اور تربیت کے مراحل طے کیے اور آخر کار ایک عالم دین کی حیثیت سے اپنا کردار معاشرہ میں پیش کیا۔

مولانا گوہر رحمٰن کی شادی ضلع صوابی کے ایک مذہبی گھرانے میں ہوئی مولانا کے ہاں

پانچ بیٹے اور ایک بیٹی کی پیدائش ہوئی آپ کے تین بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے جبکہ دو بیٹوں میں ایک ڈاکٹر عطاء الرحمٰن جو متحدہ مجلس عمل کی طرف سے قومی اسمبلی کے رکن بھی رہے ہیں اور دوسرے بیٹے مولانا عبدالرحمٰن اور ایک بیٹی صالحہ بقید حیات ہیں۔

تعلیم وتدریس

مولانا گوہر رحمٰن جس علاقے میں پیدا ہوئے اس علاقے کے لوگ جدید علوم کے سخت مخالف تھے ان لوگوں کا خیال تھا کہ جدید تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے طالبعلم مغرب کے غلام بن کر ابھرتے ہیں یہاں تک کہ یہ بات بھی مشہور تھی کہ ایسی تعلیم کے لوگ جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ وہ جہنم میں جائیں گے اس علاقہ کی قبائلی رسوم ورواج کے حوالے سے خاص پہچان تھی اس قبائلی نظام میں دنیاوی تعلیم کو غیر ضروری سمجھا جاتا تھا اور یہاں کے اکابرین اس بات کی مخالفت کرتے تھے کہ ان کے قبیلے کا کوئی فرد ایسی تعلیم حاصل کرے اس وجہ سے بچپن میں مولانا گوہر رحمٰن کو کچھ نامساعد حالات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو اس علاقے میں واقع اکلوتے پرائمری سکول میں داخلہ لیا جو پانچ کلومیٹر دور شیر گڑھ نامی گاؤں میں قائم کیا گیا تھا آپ روزانہ پانچ کلومیٹر کا پہاڑی راستہ اختیار کرتے ہوئے سکول جاتے اور واپسی پر اپنے والد محترم کا مختلف امور میں ہاتھ بٹاتے تھے اور ساتھ ساتھ اپنے والد سے فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھتے تھے جب آپ چوتھی کلاس میں پہنچے تو آپ کے والد کا سایہ اٹھ گیا اور آپ اپنی ماں کے ساتھ چھراسی چلے گئے اور وہاں پر اپنے ماموں محمد عصمت اللہ کے ہاں رہنے لگے

مولانا محمد ہارون لکھتے ہیں کہ آپ کے والد کی دلی خواہش تھی کہ میرا بیٹا علم کے زیور سے آراستہ ہو جائے اور عالم دین بن جائے حالانکہ کئی افراد نے رائے دی کہ اسے کسی دنیاوی کام میں لگا دیا جائے (۲)

پرائمری تعلیم کے بعد آپ نے دنیاوی تعلیم کو الوداع کہہ دیا اور دینی تعلیم کے حصول کے لیے سرگرم ہو گئے اور بیلیاں تحصیل اوگی ضلع مانسہرہ کی مشہور دینی درسگاہ میں داخل ہوئے اور درجہ اول اور درجہ دوم کی کتب یہیں سے پڑھیں۔

درجہ اول اور درجہ دوم میں مولانا گوہر رحمٰن نے نمایاں پوزیشنیں حاصل کیں اور اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ ایک محنتی اور باصلاحیت طالب علم ہیں اس کے بعد مولانا ضلع اٹک چلے گئے اور وہاں پر قائم مولانا عبدالحکیم کے مدرسہ میں داخلہ لیا اور درجہ سوم اور درجہ فنون کی تعلیم حاصل کی۔

تین سال تک مولانا اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کرتے رہے اس کے بعد آپ ضلع چارسدہ میں چلے گئے اور وہاں پر سرڈھیری میں قائم مولانا عبدالمالک کے مدرسہ جامعہ عربیہ میں داخلہ لیا اور یہاں پر دورہ موقوف علیہ اور دورہ حدیث کی تکمیل کی۔

مولانا گوہر رحمٰن کی زندگی میں بنیادی کردار اسی مدرسہ کا ہے اور خصوصی طور پر حضرت مولانا عبدالمالک جن کی خصوصی شفقت مولانا گوہر رحمٰن کو حاصل تھی جس کی وجہ سے مولانا نے تمام تر کسمپرسیوں اور افلاس کے باوجود اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو متاثر نہ ہونے دیا۔

مولانا گوہر رحمٰن خود اپنی زمانہ طالب علمی کی کسمپرسیوں اور مولانا عبدالمالک کے ساتھ خصوصی تعلق کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

> "میرا طالب علمی کا زمانہ انتہائی افلاس اور ابتلاء کا زمانہ تھا کھانا تو کسی نہ کسی طریقے سے مسجد میں مل ہی جاتا تھا اگرچہ سرڈھیری میں قیام کے دوران بعض اوقات ہفتوں تک فاقہ کرنا پڑتا تھا لیکن کپڑوں اور جوتوں وغیرہ کے لیے تعلیمی اوقات کے بعد مزدوری کرتا تھا میرے اساتذہ میں سے ایک مولانا عبدالمالک صاحب مرحوم ہیں جو سرڈھیری کی مسجد میں پڑھاتے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اذان فجر سے تھوڑی دیر پہلے مسجد میں تشریف لاتے تھے ہاتھ میں قہوے یا چائے کی چائنک ہوتی ہمیں جگا کر وضو کرنے اور دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور پھر ایک ایک پیالہ قہوہ یا چائے پلا کر پڑھائی شروع کرتے نماز فجر تک ایک یا دو سبق ہو جاتے اور باقی سورج نکلنے کے بعد پڑھاتے خود چونکہ نادار تھے اس لیے ہمارے کپڑوں وغیرہ

> کے لیے کبھی کبھی اہل خیر مسلمانوں کو متوجہ کرتے تاکہ ہمیں مزدوری کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔"(۳)

مولانا گوہر رحمٰن صاحب حضرت مولانا عبدالمالک کے ہاں پڑھتے تھے تو اس دور میں ایک خواب دیکھا جس کا بعد میں بھی بڑی خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ مولانا لکھتے ہیں۔

> عام طور پر تو میرے شفیق اور مخلص شیخ طلوع فجر سے پہلے جگا دیتے تھے لیکن ایک دن اذان فجر اور نماز فجر کے درمیان میں سویا ہوا تھا کہ یہ خواب دیکھا کہ میں نے محسوس کیا کہ قیامت آ گئی ہے اور مجھے ایک سیڑھی پر چڑھنے کا کہا گیا ہے جب میں اوپر چڑھا تو اردگرد کمروں کی قطاروں کو دیکھا بغیر کسی رہنمائی کے میں ایک کمرے میں جا کر بیٹھ گیا اور بیٹھتے ہی میرے سامنے طالب علم جمع ہوئے اور میں نے پڑھانا شروع کر دیا شاید اسی خواب کی تاثیر ہے کہ اب تک درس و تدریس اور تحقیق و مطالعے کا شوق بحال ہے(۴)

تدریس اور تدریسی طریق کار

حضرت مولانا گوہر رحمٰن صاحب علم و فضل اور جرأت و حق گوئی میں اپنے زمانے کے ان چند جید علماء میں شامل ہیں جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"انما العلماء ورثة الانبیاء"(۵)

اس روایت کی رو سے علمائے امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور خلفاء ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم کر دی گئی ہے اس لیے امت میں ایسے علماء پیدا ہوں گے جو علمی، عملی اور روحانی ہر لحاظ سے امت کی قیادت اور دین کے احیاء کا کام کریں گے ختم نبوت کا تقاضا ہے کہ اس امت میں ایسے علماء پیدا ہوں جو اپنی صلاحیتوں اور علم و کردار کے

لحاظ سے انبیاء علیہم السلام خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی اور آپ کے مشن کو دوسرے درجے میں اسی شان سے آگے بڑھا سکیں جس شان سے پہلے درجے میں آپ ﷺ نے بڑھایا تھا ختم نبوت سے اشارہ ملتا ہے کہ امت کے علماء نہایت ہی بلند درجے پر فائز ہوں گے وہ مقتدر اور پرکشش شخصیات کے حامل ہوں گے چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہر دور میں امت کے علماء نے علمی میدان میں کفر اور ائمہ کفر کو پسپا کیا اور دین اسلام کو علمی میدان میں غالب کیا ہے اس دور میں جو علماء نمایاں ہوئے نظر آئے اور آسمان علم پر آفتاب بن کر نمودار ہوئے ان میں شیخ القرآن مولانا گوہر رحمٰن آب وتاب کے ساتھ چمکتے رہے۔

مولانا گوہر رحمٰن نے علوم وفنون اور تفسیر وحدیث کی تدریس میں ایک منفرد مقام حاصل کیا مولانا خود اپنی تدریسی سرگرمیوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"غالباً ۱۹۵۱ء میں ۱۵ سال کی عمر میں درس نظامی کی ضروری کتابوں کی تکمیل کے بعد میں نے ضلع صوابی قصبہ حسین یار کے محلہ ڈاکی چم کی مسجد میں درس وتدریس کا آغاز کیا میری تدریس میں ڈاکی چم کے مسلمانوں کا اہم کردار ہے۔"

مولانا محمد ہارون آپ کی تدریسی سرگرمیوں کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"۱۹۵۲ء میں مستقل طور پر چھراسی زوادگی سے نقل مکانی کرکے یار حسین میں آباد ہونے کے بعد وہیں تعلیم وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۱۹۵۶/۵۷ء میں شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیر مرحوم اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کے اصرار پر دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی میں اسلامی علوم وفنون کی تدریس کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں درجہ عالیہ کی کتابیں پڑھاتے رہے بعد ازاں مفتی سیاج الدین کاکاخیل مرحوم کے اصرار پر جامعہ سلفیہ فیصل آباد تشریف لے گئے۔ وہاں منطق، اصول فقہ اور فلسفہ کی کتابیں پڑھائیں۔ ایک سال بعد آپ کو پھر واپس آنے کا شوق دامن گیر ہوا چنانچہ آپ واپس

اپنے گاؤں یار حسین ضلع صوابی آگئے اور یہاں یار حسین کے محلہ ڈاکی چم اور محلہ جان خیل میں امامت اور خطابت اور درس وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جنوری ۱۹۶۳ء میں مردان کے حاجی سرفراز مرحوم کی دعوت پر محلہ رستم خیل مردان میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور تفہیم القرآن کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔"(۶)

مولانا گوہر رحمٰن کے حالات زندگی سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ نے پوری زندگی درس وتدریس میں وقف کردی۔ تمام زندگی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے آپ نے لاتعداد خطاب کیے آپ کا انداز بیان نہایت موثر تھا اور آپ ایک بہترین معلم، خطیب اور مقرر تھے۔

طریقہ تدریس

مولانا کی پوری زندگی درس وتدریس میں گزری۔ آپ محض استاد ہی نہ تھے جو وقت گزاری کے لیے پڑھاتے بلکہ وہ اپنے پیشہ سے پورا انصاف کرتے تھے وہ درسی کتاب سے محض پیراگراف ہی نہ پڑھاتے بلکہ اس سے متعلقہ معلومات کا اضافہ کرکے اپنے لیکچرز کو زیادہ بامقصد اور دلچسپ بناتے تھے۔ ان کا طریقہ تدریس اس قدر موثر تھا کہ بہت سے طالب علم کلاس کے بعد بھی ان سے وقت دینے کا تقاضا کرتے۔

قاری شبیر بہادر آپ کے طریقہ تدریس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"میں نے دو دفعہ مولانا مرحوم کے دورہ تفسیر القرآن میں شرکت کی ہے اور مولانا کے دورہ تفسیر میں جانے سے پہلے اور بعد میں مختلف علمائے کرام کے دروس قرآن میں شامل ہوا لیکن مولانا کے درس میں دوسروں کے مقابلے میں مندرجہ ذیل امتیازی اوصاف نظر آئے۔

۱۔ لفظی نکتہ چینی اور تدقیقات کے بجائے مولانا مرحوم آیات قرآنیہ کے عملی مصداقات اور منصوبات کو اچھی طرح واضح کرتے۔

۲۔ احکامات قرآنیہ کی پوری توضیح کرکے آخر میں اس کا خلاصہ بیان

کرتے اور ان احکامات میں تمام مسلکوں اور علمائے متقدمین و حاضرین کے اقوال بھی بیان کرتے۔

۳۔آیات کریمہ کے شان نزول کو حالات حاضرہ پر منطبق کرتے۔

۴۔انفرادی اور اجتماعی معاملات دونوں کے بارے میں بیان فرماتے۔

۵۔اکثر مسلکی مسائل میں اپنی اجتہادانہ رائے قائم فرماتے اور تقلید مطلق سے گریز فرماتے۔

۶۔گروہ بندی،تعصب پرستی اور انانیت کے بتوں پر سخت ضرب لگاتے اور فرماتے کہ میرا مدرسہ نہ دیوبندیوں کا ہے نہ اہل حدیثوں کا اور نہ اشاعۃ التوحید والسنۃ کا اور نہ جماعت اسلامی کا اور نہ بریلوی حضرات کا بلکہ یہ مسلمانوں کا ہے۔یہاں ہم کسی فرقے کے داعی علماء تیار نہیں کرتے بلکہ یہاں ہم ایسے علماء تیار کرتے ہیں جو داعین الی اللہ اور ہر قسم کی گروہ بندی اور تعصب سے پاک ہوں۔

۷۔آپ کی وسعت نظر کا حال یہ تھا کہ اپنے درس قرآن کے دوران ہر اس عالم اور ہر اس دینی جماعت جو موحدین کی جماعت سے ہو ان کی سرگرمیوں کی تعریف فرماتے لیکن اس شخص اور تنظیم کی سرگرمیوں پر سختی سے گرفت فرماتے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کے خلاف ہو۔

۸۔درس کے دوران ہر قسم کے جہاد خصوصاً قتال فی سبیل اللہ کی بڑے جذبے سے ترغیب دیتے۔

۹۔دوران درس فضول ہنسی مذاق کی باتیں نہ فرماتے بلکہ سنجیدگی اور فرض شناسی سے بات کرتے۔

۱۰۔آپ کے اعتدال کا حال یہ تھا کہ مدتوں کا کوئی متعصب طالب علم بھی آپ کے درس میں شامل ہوتا تو اتنا متاثر ہوتا کہ اپنے ماضی پر نادم ہوتا اور آئندہ کے لیے اعتدال پسندی اختیار کرنے کا مصمم ارادہ

کرتا۔(۷)

مولانا گوہر رحمن صاحب نے ۱۹۶۸ء میں ماہ رمضان میں عام لوگوں کے لیے دورہ تفسیر شروع کیا۔۱۹۸۱ء تا ۱۹۸۷ء میاں طفیل محمد صاحب کی دعوت پر منصورہ لاہور میں دورہ تفسیر کرایا۔۱۹۸۷ء کے بعد سلسلہ جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن مردان جاری رہا اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگ اس میں شریک ہوتے تھے۔

مولانا ثناء اللہ دورہ تفسیر کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
"مولانا محترم سلف صالحین کی طرز پر دورہ تفسیر کراتے تھے اس مقصد کے لیے تفسیر کی بنیاد امہات الکتب کا خلاصہ طلبہ کو بیان فرماتے تھے صحیح احادیث کی روشنی میں تفسیر کراتے دوران تفسیر مشکلات قرآن کے حل کے ساتھ ساتھ توحید،حجت حدیث،ختم نبوت،اتحاد امت،شان صحابہ،خلافت و سیاست،معیشت اور اسلامی معاشرت جیسے اہم مضامین پر تفصیلی بیان فرماتے اس کے ساتھ ساتھ قدیم و جدید،فتنے اور باطل فرقے کا علمی انداز میں رد فرماتے،احکامی آیات کی خصوصی تشریح فرماتے اور قرآنی احکام حالات حاضرہ اور مسائل جدیدہ پر انطباق کا طریقہ سکھاتے تاکہ طلبہ کے اندر مسائل جدیدہ اور حالات واقعات پر شرعی احکام کو منطبق کرنے کا ملکہ اور صلاحیت پیدا ہو سکے"(۸)

علامہ عنایت اللہ نائب صدر جمعیت اتحاد العلماء پاکستان لکھتے ہیں کہ
"مولانا کا علم محض رسمی،سطحی یا صرف سماعی نہیں تھا بلکہ ان کا انداز بتاتا تھا کہ دین کے اصل ماخذوں سے نا صرف آشنا ہیں بلکہ ان کی حقیقت تک رسائی رکھتے ہیں"(۹)

دورہ تفسیر کی طرح مولانا طلبہ کو دورہ حدیث بھی کراتے تھے دورہ حدیث میں طلبہ کو جامع ترمذی شریف اور دورہ موقوف علیہ کے طلبہ کو مشکوۃ شریف کا درس دیتے تھے دوران درس

اس بات کا خیال رکھتے کہ تمام مباحث کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے درس بخاری دیتے ہوئے مولانا عبادات، اجتماعیات، معاملات، معاشرات، معاشیات، قضاء، امارت، حدود، قصاص، جہاد اور قضا پر مفصل تشریح فرماتے تھے فقہی مسائل میں ائمہ اربعہ اور دیگر علماء و فقہاء کی آراء اور دلائل کو بیان فرماتے مشکلات الحدیث کے حل اور احادیث سے احکام شرعیہ کا استنباط آلات جدیدہ اور دور جدید کے مسائل کا شرعی حکم ان کی درسی خصوصیات میں سے تھیں۔ ان کا ہر درس تحقیق و تدقیق اور اجتہادی بصیرت سے مزین ہوتا تھا۔

مولانا گوہر رحمن اگرچہ قرآن و سنت کے استاد تھے لیکن انہوں نے زندگی کے آخری چند برسوں میں اس بات کا عزم و ارادہ کر لیا تھا کہ تخصص فی الفقہ کا آغاز کیا جائے۔ ان کی نظر میں عام مدارس میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے وہ ناکافی ہے اور اس سے اجتہادی بصیرت کے حامل مفتیان کرام کی جگہ ناکلین فتویٰ تیار ہو رہے ہیں۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے ایک جامع اور مکمل نصاب ترتیب دے دیا تھا۔ داخلہ اور دیگر شرائط و تفصیلات کا بھی اعلان کر دیا تھا لیکن اپنی شدید علالت کی وجہ سے اس کا آغاز نہ کر سکے۔ (۱۰)

مولانا نے اگرچہ جدید تعلیم کسی سکول، کالج یا یونیورسٹی سے حاصل نہیں کی۔ تاہم عصری مسائل و افکار سے وہ ویسے ہی باخبر تھے جس طرح قدیم علوم کے گوشے گوشے سے واقف تھے۔

تعلیمی خدمات

مولانا گوہر رحمن پوری زندگی سربلندی اسلام کے لیے کوشاں رہے۔ آپ نے خدا کی حاکمیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے عملی قیام میں کئی مختلف النوع اقدام اٹھائے تاکہ خدا کی سرزمین پر خدا کا قانون غالب آجائے اس مقصد کے پیش نظر آپ مدرسہ جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن اور جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن للنساء والبنات کا قیام عمل میں لائے رابطہ المدارس کے قیام اور مختلف مدارس میں اتحاد کے قیام کے لیے آپ کی کوششیں مثالی نوعیت کی ہیں آپ نے اندرون ملک اور بیرون ملک دعوت دین کا فریضہ احسن طریقے سے سرانجام دیا اور اس کے ساتھ آپ نے طویل عرصہ قرآن و حدیث کی تعلیم دورہ تفسیر اور دورہ حدیث کی صورت

میں دی مولانا کی ان تعلیمی خدمات کی مختصر جھلک پیش خدمت ہے۔

مدرسہ جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن

مدرسہ جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کے تعارف اور تاریخ کو بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مولانا گوہر رحمن کے اس موقف کو پیش کیا جائے جو دینی اور دنیاوی علوم، دینی مدارس کی ضروریات، دینی مدارس کے نصاب کے متعلق ہے مولانا گوہر رحمن لکھتے ہیں کہ دنیا اور متاع دنیا کے سارے علوم ''ذریعہ حیات'' سے متعلق ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ زندگی گزارنے کا مقصد کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مقصد اللہ کی عبادت ہے۔ اور عبادت کے مفہوم میں پورے کا پورا دین شامل ہے اس لئے پورے دین کے مطابق زندگی گزارنا ''مقصد حیات'' ہے نتیجہ یہ نکلا کہ دنیوی علوم ''ذریعہ حیات'' ہیں اور دینی علوم ''مقصد حیات'' ہیں۔ (۱۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اس لیے نازل کیا ہے اور اس کے ساتھ اپنا رسول بھیجا ہے تاکہ اندھے بینا ہو جائیں اور اندھیروں سے نکل کر ایمان کے نور سے منور ہو جائیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

﴿کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور﴾ (۱۲)

''یہ کتاب ہم نے تیرے پاس اس لیے نازل کی ہے کہ تو اس کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے''

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر قرآن کریم کی تعلیم کو اور دعوت بالقرآن کو جہاد کبیر قرار دیا ہے ارشاد خداوندی ہے

﴿فلا تطع الکافرین و جاھدھم بہ جھادا کبیرا﴾ (۱۳)

''پس کافروں کی بات نہ مانو اور ان کے مقابلے میں قرآن کے ذریعے بڑا جہاد کرو''

مولانا گوہر رحمٰن لکھتے ہیں

"اسلام اسی جہاد کبیر کے ذریعے پھیلا ہے اور دینی مدارس اسی جہاد کبیر کے مراکز ہیں۔اس لیے معلمین دین اور داعیان اسلام انہی مراکز سے تیار ہوتے ہیں" [14]

مولانا گوہر رحمٰن نے دینی مدارس کی ضرورت کی دس وجوہات بیان کی ہیں جو انتہائی اہم نوعیت کی ہیں۔

۱۔اللہ کی بندگی کے تقاضے پورے کرنا اور اس کے دین پر عمل کرنا علم دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۲۔دعوت دین اور اقامت دین و نفاذ شریعت کے لیے جدوجہد کرنا علم دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۳۔اسلامی انقلاب کے لیے فکری انقلاب ضروری ہے اور فکری انقلاب علم دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۴۔اسلامی ریاست کو چلانے کے لیے اسلامی قیادت ضروری ہے اور اسلامی قیادت علم دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۵۔غیر اسلامی افکار پر تنقید کرنا اور علم وتحقیق کے میدان میں ان کا مقابلہ کرنا علم دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۶۔امت مسلمہ کے قائدین ،علماء دین ہیں اور علماء دین مدارس میں تیار ہوتے ہیں۔

۷۔قرآن کی تعلیم وتبلیغ جہاد کبیر ہے اور قرآن کا علم دینی مدارس میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

۸۔قرآن وسنت کی تدریس کی مجالس پر سکینت اور رحمت نازل ہوتی ہے اور یہ مجالس دینی مدارس میں ہی قائم ہوتی ہیں۔

۹۔علم دین حاصل کرنا مسلمان مردوں اور عورتوں پر فرض ہے اور یہ فرض دینی مدارس میں

ہی ادا ہو سکتا ہے [15]

دینی مدارس کا نصاب اورمولانا کی تجویز کردہ ترامیم

ہر تعلیمی ادارہ مقصد اور اہداف کو پیش نظر رکھتے ہوئے نصاب کو ترتیب دیتا ہے ڈاکٹر ،انجینئر ،سائنس دان اور وکیل کا نصاب اپنی ضرورت کے پیش نظر ہوتا ہے دینی مدارس کے قیام کا مقصد علماء دین تیار کرنا ہے اس لیے اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے دینی مدارس کے نصاب کو ترتیب دینا چاہیے دینی مدارس کے نصاب کی بنیاد قرآن وسنت پر ہونی چاہیے مولانا لکھتے ہیں کہ قرآن وسنت کو سمجھنے ،شرعی احکام معلوم کرنے اور نئے مسائل اور ان کے حل کے لیے اجتہادی بصیرت پیدا کرنے کے لیے صرف ونحو ،معانی و بلاغت ،عربی لغت و ادب، اصول تفسیر ،اصول حدیث ،اصول فقہ ،اسلامی فقہ اور علم الکلام کے فنون کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ ان میں مہارت کے بغیر قرآن وسنت اور شریعت کے ماہرین تیار ہو ہی نہیں سکتے۔ [16]

مولانا گوہر رحمٰن کی پہلی تجویز یہ ہے کہ ان مندرجہ بالا علوم میں مدارس کے طلبہ کو خوب رسوخ حاصل ہونا چاہیے کیونکہ جو طلبہ ان فنون میں کمزور ہوتے ہیں ان کی تفقہ فی الدین بھی کمزور ہوتی ہے۔ [17]

مولانا کی دوسری تجویز یہ ہے کہ احادیث کی کتابوں کی صرف قرأت نہیں ہونی چاہیے بلکہ تحقیق وتشریح بھی ہونی چاہیے۔

مولانا کی تیسری تجویز یہ ہے کہ جس طرح یونانی فلسفہ سے متاثر فرقوں کے باطل نظریات سے طلبہ کو متعارف کرایا تھااس طرح دور حاضر کے باطل نظریات اشتراکیت ،سیکولر جمہوریت ،سیکولر معیشت ،سیکولر ریاست ،تجدد پسندی اور جدیدیت ،انکار سنت،انکار ختم نبوت کے مقابلے میں علماء کو تیار کرنا ضروری ہے۔

مولانا جدید تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے خالف نہیں تھے لیکن آپ علوم دینیہ اور علوم دنیویہ کے مشترک نصاب کو نقصان دہ قرار دیتے ہیں۔آپ کا یہ بھی موقف ہے کہ دینی علوم کے جامع ادارے قائم کرنا اسلامی حکومت کا کام ہے۔

جامع اسلامیہ تفہیم القرآن کا تعارف اور مقاصد

مولانا گوہر رحمٰن نے دو مختلف کتابچوں میں جامعہ اسلامیہ کی تاریخ کو بیان کیا ہے آپ لکھتے ہیں کہ جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کا باقاعدہ قیام نو (۹) شوال ۱۳۸۶ھ بمطابق جنوری ۱۹۶۷ء میں محلہ رستم خیل مردان کی مسجد میں ہوا تھا۔

مولانا گوہر رحمٰن کا یہ مدرسہ اس لیے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں کسی بھی نوع کی تعصب پسندی اور گروہی عصبیت نہیں ہے اور کسی مخصوص فرقے کی چھاپ اس پر نہیں ہے۔مولانا خود لکھتے ہیں۔

> "جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن کی تاریخ اور کارکردگی اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ یہ کسی فرقے کا مرکز نہیں ہے بلکہ ایک دینی ادارہ ہے جو فرقوں کے علماء تیار کرنے کی بجائے دین کے علماء تیار کر رہا ہے اور فرقہ واریت کے ماہرین تیار کرنے کی بجائے شریعت کے ماہرین تیار کرنے کی کوشش کر رہا ہے"(۱۸)

اس تعلیمی ادارے کا مقصد اور ہدف ایسے علماء دین تیار کرنا ہے جو درج ذیل دس اوصاف کے حاملین ہوں۔

۱۔جو حق گو اور حق پرست ہوں۔
۲۔جو سطحی اور سرسری نہیں بلکہ گہرے تحقیقی علم کا ذوق وشوق اور ملکہ رکھتے ہوں۔
۳۔جو علم پر عمل کرتے ہوں اور علم کے ہتھیار کو اصلاح معاشرہ کے لیے استعمال کرتے ہوں۔
۴۔جو دعوت دین اور اقامت دین کے لیے جدوجہد کا جذبہ صادق رکھتے ہوں۔
۵۔جو فروعی و اجتہادی اختلاف کو امت میں افتراق کا ذریعہ نہ بناتے ہوں۔
۶۔جو اتحاد امت کے داعی ہوں۔
۷۔جو شرک و بدعت اور غیر اسلامی افکار کے ابطال اور رد میں مشغول رہتے ہوں۔
۸۔جو قرآن وسنت کی اشاعت میں مصروف عمل رہتے ہوں۔

۹۔جو تجدید و احیاء دین کے لیے کوشاں ہوں۔
۱۰۔جو ظالم حکمرانوں سرمایہ داروں اور سیکولر سیاست دانوں کے آلہ کار نہ ہوں۔(۱۹)

جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن للنساء والبنات کی عمارت

مولانا گوہر رحمٰن لکھتے ہیں کہ میری دیرینہ خواہش تھی کہ جامعہ تفہیم القرآن میں خواتین کی تعلیم کا الگ مدرسہ کھولا جائے عمارت کے لیے زمین تو موجود تھی لیکن با پردہ عمارت بنانے کے لیے وسائل موجود نہیں تھے اور کوشش کے باوجود وسائل فراہم نہیں ہوئے تھے اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کو قبول کیا اور دو اہل خیر مسلمانوں کے دلوں کو اس طرف مائل کیا اور ان کے مالی تعاون سے محفوظ اور باپردہ عمارت بن گئی جس میں دس کمرے ہیں ایک ۷۰ فٹ لمبا اور ۳۰ فٹ چوڑا بمعہ برآمدے کے بڑا ہال ہے ایک کچن ہے اور سات غسل خانے ہیں اس کی تعمیر پر ۱۸۴۵۰۹ روپے خرچ ہوئے ہیں اور اس عمارت میں شوال ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۹۹۸ء سے پڑھائی شروع ہوگئی ہے اور مدرسہ النساء والبنات کے اس شعبے میں تین قسم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۱۔دینی علوم کے چار درجوں کا نصاب ۲۔دورہ تفسیر ۳۔تحفیظ و تجوید

اس کے علاوہ ناظرہ قرآن پڑھانے کا انتظام بھی ہے۔لیکن ناظرہ پڑھنے والی بچیوں کو کمروں کی قلت کی وجہ سے دارالاقامہ میں داخلہ نہیں مل سکتا(۲۰)

ادارہ تفہیم الاسلام کا قیام و مقاصد

مولانا گوہر رحمٰن جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن میں ادارتی تدریسی اور دعوتی فرائض کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف اور مختلف مسائل کی تنقیح و تفہیم کا فقہی اور تحقیقی کام کرتے رہے اس علمی و تحقیقی کام کو ایک ادارے کی شکل دینے کے لیے آپ نے ادارہ تفہیم الاسلام کے نام سے اہم شعبہ قائم کیا جو اشاعت تصنیف و تالیف اور اجتماعی بحث و تحقیق کا کام کرتا ہے اور جماعتی گروہ اور فرقہ وارانہ عصبیتوں سے بالاتر ہو کر حق جوئی حق گوئی اور حق پرستی کے